AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

میرؔ کا سوانحی ارتقاء اور ہندوستان کا تہذیبی و سیاسی منظر نامہ

1۔ فرمان محمد شاہ
لائبریرین گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج آف کامرس پاک پتن
2۔ ڈاکٹر رحمت علی شادؔ
پرنسپل گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج کمیر ٹاؤن ساہیوال

Abstract:
Mir Taqi Mir (1723-1810) was a great poet of the declined period of Mughal Empire. Most of his life spent in Delhi and Lucknow. Mir was born in Agra, but his father died soon, which caused him to face economic difficulties. Mir spent some time in Delhi, but due to political instability and economic misery, he had to leave Delhi. He moved to Lucknow, where he spent the rest of his life. Mir's poetry shows the suffering and problems of his personal life. He mentioned the destruction of Delhi in his poetry, the fall of the Mughal Empire and the helplessness of the common people. Mir's poetry is still a valuable asset of Urdu literature.

Key Words:
سوانحی ارتقاء، تہذیب و سیاست، ذکرِ میر، ہجرت، خون ریزی، سفر و حضر، تلاشِ معاش، سیاسی و سماجی ابتری، حالتِ جنوں

سرزمینِ ہندوستان ہر دور میں طالع آزماؤں کے لیے مرکزِ نگاہ بنی رہی ہے۔ اِن خارجی طالع آزماؤں میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی سرزمین ِ ہندوستان میں آمد ایک نئے نقطہ آغاز کا پیش خیمہ رہی۔ مسلم سربراہان نے ہند پر اپنی حکومت اور طرزِ تمدن کے ذریعے گہرے اثرات مرتب کیے۔ مغلیہ عہد اس نقطہ آغاز کی آخری کڑی ہے۔

مسلم تہذیب و تمدن، طرزِ معاشرت و ثقافت، مذہب و سیاست ہر دو لحاظ سے مسلم تہذیب کی جڑیں سرزمین ہند میں مضبوط ہو گئیں۔ ان تہذیبی و معاشرتی عوامل نے ہندوستان کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ایک نئے طرزِ حیات، تہذیب و تمدن کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اسی تہذیب اور مخلوط تمدن کے بطن سے ایک مخلوط اور قدرے نئی زبان تشکیل پائی جسے ابتداء میں ہندی اور ارتقاء میں دکنی، دہلوی، ریختہ، اُردوئے معلیٰ، ہندوستانی اور بالآخر اُردو کا نام دیا گیا۔ اُردو زبان نے ہندوستان میں نثر بل کہ نظم سمیت ہر دو اعتبار سے خود کو ایک مکمل اور مستحسن زبان کے طور پر منوایا۔ اُردو ادب کا شعری سرمایہ بلاشبہ بین الاقوامی شعری سرمائے سے نا صرف موافقت رکھتا ہے بل کہ فنی اور فکری حوالوں سے بین الاقوامی ادب سے مَیل کھاتا ہے۔ اس شعری سرمائے میں سب سے اولین اور معتبر تخلیق ''ذکرِ میر'' کی صورت میں ملتی ہے۔ میرؔ بلاشبہ اُردو شعر و ادب کا مستند حوالہ ہیں۔ میر کے اشعار بلاشبہ اُردو شعری ادب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرؔ کو بذاتِ خود اس امر کا ادراک بخوبی تھا۔ کہتے ہیں:

سارے عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

میرؔ کا یہ شعر محض شاعرانہ تعلّی یا میرؔ کی نرگسی طبع کی غمازی نہیں کرتا بل کہ میریات کا بغور مطالعہ بذاتِ خود اس بات کا غماز ہے کہ میرؔ واقعتاً فنِ شعر کے اس مستند مرتبے پر فائز ہیں اور شعرائے اُردو انھیں ایک مستند حوالہ تسلیم کرتے ہیں۔

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

میرؔ کے سوانحی حالات اور اُن کے بارے میں ابتدائی معلومات کا سب سے بنیادی مآخذ "ذکرِ میرؔ" ہے۔ میرؔ نے "ذکرِ میرؔ" میں اپنے اجداد کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ میرؔ کے اجداد سرزمین حجاز سے کچھ حالات کی سختی اور کچھ افلاس زدگی کے ہاتھوں ناچار ہجرت کر کے سرزمین ہندوستان پہنچے۔ دکن پلی منزل تھی۔ میرؔ کا یہ قبیلہ حجاز سے دکن پہنچا تو اس میں میرؔ کے اجداد بھی تھے۔ ہجرت کے اس عمل میں سفر و حضر کی گھٹنائیاں اور سختیاں الگ برداشت کیں۔ دکن سے یہ قافلہ راستے کی پریشانیاں اور سختیاں جھیلتا احمد آباد گجرات آوارد ہوا۔ ان میں سے بعض افراد تو وہیں ٹھہر گئے اور احمد آباد میں ہی سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی جب کہ بعض جن میں میرؔ کے جدِ کلاں بھی تھے انھوں نے سفر جاری رکھا اور اکبر آباد جو اس وقت دار الخلافہ تھا وہاں توقف اختیار کیا۔ کچھ سفر کی مصیبتوں اور کچھ آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے اکبر آباد ہی میں میرؔ کے جد کلاں نے انتقال کیا۔ جد کلاں نے اپنی اولاد میں ایک فرزند چھوڑا جسے اس عہد میں سب سے بڑا مسئلہ معاش کا تھا۔ زندگی سے رشتہ باقی رکھنے کو معاش سے بڑا عذر کوئی نہیں اور تلاشِ معاش کی ایک وجہ ہجرت تھی؛ اکبر آباد میں بھی یہی مسئلہ درپیش رہا۔ آخر کار بڑی صعوبتوں، تگ و دو اور زحمت و مصیبت کے بعد اکبر آباد کی فوج داری ملی اور حالات خاطر خواہ بہتر ہوئے۔ جب عمر پچاس کے قریب ہوئی تو گوالیار کا سفر کرنا پڑا۔ وہ جو پہلے سے بیمار تھے سفر کی تھکن، بیماری کی حالت اور موسمی حالات و واقعات کی ناموافقت کے سبب راہیِ عدم ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے بڑے بیٹے دماغ کے عارضہ میں مبتلا تھے اور کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے؛ یہ خللِ دماغ ایسا رنج دینے والا واقع ہوا کہ اسی بیماری کے سبب جوانی میں ہی جان بحق ہوئے۔ ان سے چھوٹے بیٹے میر محمد علی میرؔ کے والد تھے۔ "ذکرِ میر" میں تذکرہ اجداد کے ضمن میں میرؔ رقم طراز ہیں:

> "میرے بزرگ زمانے کی نامساعدت سے اپنے قوم و قبیلے کے ساتھ حجاز سے روانہ ہو کر سرحد دکن میں پہنچے۔ راستے میں بہت سی صعوبتیں اور مصیبتیں اُٹھائیں۔ وہاں سے احمد آباد، گجرات میں وارد ہوئے بعض تو اُن میں سے وہیں رہ گئے اور بعض تلاش معاش کے لیے آگے بڑھے، چناں چہ میرے جد کلاں نے دار الخلافہ اکبر آباد میں توقف اختیار کیا مگر آب و ہوا کی نامناسبت سے بیمار ہوئے اور دنیا سے رخصت ہوئے۔"(۱)

میرؔ کے والد میر علی متقی کے تصور عشق کی خوش بُو بجا طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ اگر میر علی متقی کو استغراق اور مجاہدے و ریاضت سے فرصت ملی تو عشق اور مباحثِ عشق کا ہی عنوان ملا۔ موت سرمستی و بے خودی جب کہ زندگی اس کی تابندگی کا نام ہے۔ میر علی متقی کے تصور عشق کے حوالہ سے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> "اگر میرؔ صاحب کے والد کو استغراق اور مجاہدے سے فرصت ملتی تو کہتے ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہے عشق کا ظہور ہے آگ سوزِ عشق ہے، پانی رفتار عشق ہے، خاک قرار عشق ہے، موت عشق کی مستی اور حیات اس کی ہوشیاری ہے۔ عشق عبودیت، زاہدیت، صدیقیت، خلوصیت، مشتاقیت اور حبسیت سے بلند و برتر ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ آسمانوں کی حرکت، حرکت عشقی ہے۔"(۲)

میرؔ کے والد درویش صفت اور درویش پرست تھے۔ میرؔ نے لکھا کہ: چہرہ اُن کا نور کی طرح چمکتا اور رُخ مانند سورج و چاند چمکتا دمکتا رہتا۔ تربیت و تعلیم کی بدولت وہ میرؔ کے سینہ میں آتشِ عشق کی حدت کو محسوس کرتے اور گویا ہوتے کہ اے جان پدر! یہ کیسا معاملہ ہے جو تمہارے ہاں درپیش ہے۔ شفقت و محبت سے پیش آتے ایسے فلسفیانہ مباحث کو میں کم عمری کی بدولت ہنس کر ٹال دیتا اور وہ زار زار رونے لگ جاتے۔

ان پاکیزہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت ان کے چہرے سے نور اور اوصاف حمیدہ جھلکتے تھے۔ استقامت اور محبت کا وہ معیار کہ ڈھونڈے سے نہ ملے۔ طبیعت مشکل پسند واقع ہوئی۔ کم گو اور کم آمیز تھے، لوگوں سے ملنا جلنا بہت کم پسند کرتے تھے۔ رؤسا اور امرا خواہش کے باوجود نہ مل پاتے۔ خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> "میرؔ کے والد کم اختلاط اور کم آمیز تھے۔ خصوصاً امرا اور رؤسا سے ملنے میں بہت تکلف کرتے اور صاف کہہ دیتے تھے کہ میں فقیر ہوں اور تم امیر، مجھ سے کیوں ملتے ہو؟"(۳)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

میرؔ کے والد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی جو خان آرزو کی بہن تھیں سے ایک بیٹا حافظ عبدالرحمٰن پیدا ہوا، دوسری بیوی سے دو بیٹے محمد تقی اور محمد صفی اور ایک دختر تولد ہوئے۔ میر تقی میرؔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ سالِ ولادت کے حوالہ سے اختلاف موجود تھا مگر سال وفات چوں کہ متنازعہ نہ تھا اور دیوان چہارم پر میرؔ کے عزیز اور رشتہ دار شاگرد محمد محسن کی تحریر سے یہ عقدہ وا ہوا کہ سال ولادت ۲۳۔۱۷۲۲ بمطابق ۳۶۔۱۱۳۵ھ ہے۔ اس سلسلے میں جو استفسارات تحقیقی پیش ہوئے اور مختلف محققین وتذکرہ نگاروں نے اس سلسلے میں جو لکھا اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

محمد حسین آزاد نے میرؔ کی عمر ۱۰۰ سال قرار دی ہے؛ اس لحاظ سے سن ولادت ۱۲۵ اھ بنتا ہے۔ تذکرہ جہاں میرؔ کی عمر ۸۰ سال بتائی جاتی ہے جس رُو سے میر کا سال ولادت ۱۱۴۵ھ قرار پایا۔ مولوی عبدالحق نے سال ولادت ۱۷۲۴ء بمطابق ۱۱۳۷ھ قرار دیا ہے کہ ''ذکر میرؔ'' جو ۱۱۹۷ھ میں مکمل ہوا اس وقت میرؔ کی عمر ۶۰ برس تھی۔ رام بابو سکسینہ نے بھی ۱۱۳۷ھ کو درست قرار دیا ہے لیکن سر شاہ محمد سلیمان نے اس سے ایک برس کم ۱۱۳۶ھ کو سال ولادت تسلیم کیا ہے۔ خان بہادر جعفر علی خان نیرنگ کے میرؔ تمبر میں سن ولادت ۱۱۳۷ھ اور سن وفات ۱۲۲۵ھ لکھا ہے۔ مزامیر میں وہ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اسی سلسلے میں نوادر کمد میں موجود عبارت اہم ہے۔ یہی عبارت ہے جو اس عقدہ کو وا کرنے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے جو میرؔ کے دیوان چہارم کے قلمی نسخے پر درج ہے۔ یہ نسخہ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس عبارت کے حوالے سے خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''در اواخر یک ہزار و یک صد و سی پنج ہجری ولادت میرؔ واقع شدہ" اس دیوان کے سرورق پر محمد محسن شاگرد میر تقی میرؔ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ عبارت موجود ہے۔ بروز جمعہ بستم شعبان المکرّم وقت شام ۱۲۲۵ھ یک ہزار و دو صد بست و پنجم ہجری بود کہ میر محمد تقی صاحب، میر تخلص، صاحب ایں دیوان چہارم در شہر لکھنؤ در محلّہ سٹھٹی بعد طے نہ عشرہ عمر بہ جوارِ رحمت ایزدی پیوستند و بروز شنبہ بست و یکم ماہ۔''(۴)

اس عبارت کے مستند اور بنیادی تسلیم ہونے کے بعد میر کا سال پیدائش ۲۳۔۱۷۲۲ء قرار پایا ہے۔ جنھوں نے ۹۰ سال کی عمر پائی۔ میرؔ کی تربیت میں سید امان اللہ کا کردار بنیادی تھا۔ میرؔ انھیں عم بزرگوار کہتے تھے اور ہر وقت ان کی بارگاہ میں حاضر رہتے اور علوم دنیا و تربیت کے مراحل سے گزرتے۔ سید صاحب بھی انھیں اپنی اولاد کا درجہ دیتے اور لمحہ بھر کو اپنے آپ سے جدا نہ ہونے دیتے۔ بقول میرؔ وہ روز و شب ان کے ساتھ رہتے اور قرآن مجید پڑھتے رہتے۔ میرؔ نے اپنی تحریروں میں ہر دو افراد میرؔ امان اللہ اور اپنے والد گرامی کی وفات کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے۔

میر امان اللہ کی وفات میرؔ کے ذاتی طور پر اور خاندانی طور پر کسی گہرے صدمے سے کم نہ تھی۔ والد بزرگوار نے سینہ پیٹ لیا اور وہ صدمے کی سی کیفیت میں رہنے لگے اور اسی غم میں خود کو ''عزیز مردہ'' کہلوانے لگے۔ والد گرامی کی کیفیت تو جو رہی سو رہی خود میرے اوپر بھی کوئی قیامت کا سا معاملہ تھا۔ ایک حشر تھا جو کسی صورت آرام اور چین سے دور کر گیا۔ ایک سایہ تھا جو چھن گیا۔ ایک ایسا رشتہ جس میں دوستی، خلوص، پدرانہ شفقت اور اپنائیت بدرجہ اتم موجود تھی کہ میں تو ہر وقت سائے کی طرح ان کے ساتھ رہتا تھا اور اپنی ذاتی ضرورتوں اور علمی و فکری و ذاتی معاملات میں ان عزیز عم سے راہنمائی لیتا تھا؛ اب دن اور رات سوائے ان کی یاد اور فرقت کے کوئی کام نہ رہا۔ میر امان اللہ کی وفات اور رحلت کے لمحات کی ترجمانی میرؔ نے ''ذکر میر'' میں ان الفاظ میں کی ہے۔

> '' جب لوگ جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو اکثر فرش پر گر پڑے میرے والد نے کہا اے ناواقف پاس آشنائی دیر میں کھلا کہ تو بے وفا ہے۔ تیجے کے دن جب شہر کے لوگ فاتحہ خوانی کے لیے آئے تو میرے والد نے کہا کہ جس کا ایسا عزیز مر گیا ہو تو اسے عزیز مردہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔''(۵)

میر امان اللہ کی رحلت صرف میر علی متقی بل کہ میر تقی میرؔ کے لیے بھی جان کن واقعے سے کم نہ تھی؛ والد گرامی سے ان کا محبت و تعلق درویشانہ اور محبوبانہ تھا جس کا درد انھوں نے اپنی موت تک محسوس کیا۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہ مشکل ابھی ٹلی نہ تھی یعنی چچا کی وفات کا غم غلط نہ ہوا تھا کہ میرؔ کو والد کے سہارے سے بھی جانا پڑا، چچا کے بعد والد کا انتقال میرؔ کی زندگی میں وہ اندوہ، کرب اور مصیبتیں لے آیا جن سے موت تک میرؔ کو آرام نصیب نہ ہوا۔ میرؔ کے والد کی وفات کا واقعہ میرؔ کی زندگی کا ایسا دکھ بھرا سانحہ ثابت ہوا جس سے آرام اور آسودگی کے سارے در ایک دم سے بند ہو گئے۔ ایک دن سخت گرمی میں میر امان اللہ کے بھتیجے محمد باعث کی عیادت کے لیے علم گنج گئے واپسی پر گرمی کا اثر محسوس کرنے لگے۔ رات اسی باعث کچھ کھانا نہ سکے؛ صبح اُٹھے تو تیز بخار تھا۔ علاج معالجہ میں حکیم ابوالفتح نے کوشش کی مگر یہ بخار ہر گزرتے دن کے ساتھ دق میں بدل گیا اور علاج کی تمام صورتیں بظاہر بے سود نظر آنے لگیں۔ غذا مکمل طور پر بند ہو گئی اور کبھی مزاج میں بہتری ہوتی تو نرگس کے پھول سونگھ لیتے۔ اس کے بعد دوا بھی ترک کر دی۔

''ذکر میر'' میں شامل ایسی تحریروں سے عیاں ہوتا ہے کہ برادرانہ حسد و رقابت روز ازل سے بھائیوں کے درمیان موجود تھی۔ بہر حال اس واقعہ کے مصداق محمد علی متقی نے میرؔ کو پند و نصائح کیے اور کچھ قرض کی بابت بتلایا کہ جس کی مالیت تین سو روپے تھی اور تاکید کی کہ روپیہ کسی بھی وقت پہنچ جائے گا مگر جب تک قرض کی ادائیگی کا سد باب نا ہو تو تب تک جنازہ یا میت کے دفن کا انتظام نہ کیا جائے غرض انھیں دعاؤں، نصیحتوں اور افکار کو پہنچا دینے کے بعد میرؔ کی امید آخر یعنی باپ کی صورت بھی ان سے جدا ہوئی اور وہ واصل حق ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی مصیبتوں، پریشانیوں، کوفتوں کا ایک پہاڑ تھا جو میرؔ کے سر پر آ گرا۔ ایک والد کی وفات دوسرا بڑے بھائی نے ظاہر داری بھی چھوڑ دی اس غرض سے کہ قرض خواہوں کی باتوں اور ادائیگی قرض سے خود کو جدا رکھ سکے۔ میر محمد حسن نے یک طرفہ بے رُخی اختیار کر لی اور بہت بودے انداز میں جاننے والوں اور عذر خواہوں کے سامنے ہی عذر رکھا کہ جس (میر تقی میرؔ) کو باپ اور چچا نے ناز و نعم سے پالا ہے وہی گھر چلائیں اور وہی قرض کی ادائیگی کی صورت پیدا کریں۔ میرؔ کی عمر اس وقت دس (۱۰) برس تھی ظاہر سی بات ہے کہ اس قدر مشکل حالات اور بھائیوں کی طوطا چشمی کی بدولت حالات مزید بگڑے، میرؔ کے بقول میں نے عزم و ہمت کا دامن تھامے رکھا اور اللہ کی ذات پر بھروسے کو اپنا شعار بنایا۔ پس تائید ایزدی آن پہنچی اور محمد علی متقی کے سر پر مکمل خان نے ۵۰۰ پانچ صد روپے ہنڈی بھجوا دیئے جن سے ادائیگی قرض کے بعد تجہیز و تکفین کا عمل مکمل کیا جا سکا۔ مشکلات میرؔ کے ان معاملات کی ترجمانی خواجہ احمد فاروقی نے ان الفاظ میں کی ہے:

> '' چچا اور والد کی یکے بعد دیگرے وفات اور بھائی کے بُرے سلوک کے باوجود میں نے خدا پر نظر کی۔ بہت سے رنج و الم کے باوجود ذاتِ الٰہی پر تکیہ کیا۔ والد کی وفات کے بعد بازار کے بقال ۲۰۰ دو صد روپے لے کر حاضر ہوئے مگر میں نے انکار کر دیا۔ اتنے میں مکمل خان جو میرے عم بزرگوار کے مرید تھے ۵۰۰ روپے کی ہنڈی لے کر آئے اور میرؔ کے رنج و غم میں شریک ہوئے۔ میں نے ۵۰۰ روپے تو قرض خوائیوں کو دیے؛ ایک صد روپے سے تجہیز و تکفین کا عمل مکمل کیا اور والد گرامی کو اپنے پیر کے پہلو میں دفن کیا۔''(۶)

والد کی وفات کے ساتھ ہی میرؔ کی زندگی کا وہ اندوہناک باب شروع ہوتا ہے۔ جس نے تادمِ آخر میرؔ پر مصیبتوں، پریشانیوں، ملامتوں کے در بند نہ ہونے دیے۔ وہ لوگ جو والد اور میر امان اللہ کے ہوتے جان چھڑکتے تھے انھوں نے ایک دم سے آنکھیں پھیر لیں اس پر ستم یہ کہ بھائی نے بھی آنکھیں پھیر لیں دوست عزیز اور غم خوار سارے بُرا وقت آتے ہی الگ الگ ہوتے چلے گئے اور نہ صرف گھر بل کہ گھر کا سارا انظام میرؔ کے ناتواں کندھوں پر آ رہا۔ سب سے بڑی پریشانی معاش کی تھی جس کے لیے کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تلاشِ معاش اور نان و نمک اس وقت میرؔ کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اس کے حل کے لیے ضروری تھا کہ اکبر آباد سے باہر جایا جائے اور تلاشِ معاش کے دیگر ذرائع زیر غور لائے جائیں۔

چچا اور والد کی وفات کے بعد عزیز و اقارب خصوصاً بھائی کی طوطا چشمی کی بدولت میرؔ کی حالت خاصی دگرگوں تھی۔ افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور اسباب کی کوئی امید نہ تھی۔ اس وقت جب میرؔ کی عمر تقریباً گیارہ برس تھی۔ ہمارے شاعر نے اطراف اکبر آباد؛ تلاش معاش کے لیے جتن کیے۔ بے یار و مددگار تو تھے ہی مگر پاسِ آبرو بھی تھا۔ شہر کے قرب و جوار میں پھرتے رہے۔ بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا۔ بالآخر جب رزق کی کوئی سبیل نہ بن سکی تو بھائی کو گھر چھوڑا اور وطن کو خیر آباد کر دیا۔ اکبر آباد سے نکلنے کے بعد ٹھکانہ دہلی رہا لیکن اس شہر یادگار میں بھی ابتداً کوئی اُمید بر نہ

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

آسکی اور میرؔ کی پریشانیوں کا سلسلہ کم نہ ہوا۔ نہ کوئی رفیق نہ کوئی دوست نہ مددگار مگر نصیب نے یاوری کی اور آخر کار امیر الصرا دصمصام الدولہ کے بھتیجے خواجہ محمد باسط سے ملاقات ہوئی جو میر علی متقی کے مصاحب اور عقیدت مند تھے، مصاحبت اور عقیدت کے ساتھ ساتھ صمصام الدولہ کے ساتھ علی متقی کے احسانات کا بھی کچھ ذکر میرؔ نے اپنی آپ بیتی میں کیا ہے۔ غرض صمصام الدولہ کے پاس پہنچنے کے بعد نواب نے تعارف میں ہی کہ یہ لڑکا کس کا ہے کہا گیا میر علی متقی کا؛ سے اندازہ کیا کہ پدر بزرگوار جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ انھوں نے خوب رنج وافسوس کی اور حقوق کا ذکر کیا اور ایک روپیہ روزینہ مقرر کیا۔

حقائق اور واقعات سے ثابت ہے کہ میر کو یہ وظیفہ نادر شاہ درانی کے حملے تک ملتا رہا جس کی تاریخ ۱۷۳۹ء بنتی ہے۔ واقعات سے ظاہر ہے کہ میر جب دہلی آئے ان کی عمر سترہ برس سے کم تھی جس کے بارے گیارہ سال کا حقیقی یا چودہ سال کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ۱۷۲۲ء کی تاریخ پیدائش سے نادر شاہ حملے تک کا عرصہ تقریباً سترہ سال کا ہے۔ جو میرؔ کی دلی میں پہلی آمد اور وظیفہ خواری کے عرصے سے شمولیت کے بعد عمر میرؔ اس عہد تک ۱۷ سال طے پاتی ہے۔ میرؔ اس نادر شاہی حملہ میں دہلی سے خوار ہوئے اور بری اور ناگفتہ بہ حالت میں جب کوئی سبب میسر نہ ہوا واپس گھر کی طرف ہوئے۔ اس حملہ کے بعد میرؔ آگرہ واپس ہو گئے۔ جب حالات کچھ بہتر ہوئے اور نادر شاہ جو عذاب کی صورت نازل ہوا تھا اس کا فتنہ فرو ہوا تو میرؔ نے پھر رخت سفر باندھا۔ اب کی بار ایک مرتبہ پھر منزل دلی تھا۔

اس سفر کی بنیادی وجہ اب کی بار پھر معاش کی ہی تلاش تھی اور یہ وہ سفر ہے جس کے بعد میرؔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دلی اور بعد ازاں لکھنو کے ہو رہے اور اکبر آباد مکمل طور پر ان سے چھوٹ گیا۔ میرؔ کا دوسرا سفر دلی تقریباً ۱۱۵۲ھ کا ہے۔ اب کی بار دلی میں میرؔ کی منزل خان سراج الدین علی خان آرزو کا گھر تھا۔

خان آرزوؔ، میرؔ کے بڑے بھائی حافظ محمد حسن کے ماموں تھے۔ خان موصوف کی بہن کا نکاح میرؔ محمد علی متقی سے ہوا جس سے ایک فرزند حافظ محمد حسن ہوئے۔ اس لحاظ سے خان آرزوؔ، میرؔ کے سوتیلے ماموں ہوئے۔ میریات کے مطالعے سے میرؔ کی ادبی شخصیت اور شاعرانہ حیثیت کے حصول تک جن شخصیت کے اثرات واضح نظر آتے ہیں ان میں خان آرزو ایک ہیں جنھوں نے میرؔ کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ میرؔ نے نکات الشعرا میں خان آرزو کی ادبی شخصیت، عالمانہ کردار اور استادانہ شاعری کا اقرار کھلے لفظوں میں کیا ہے۔ میرؔ لکھتے ہیں:

> "آب ورنگ باغ نکتہ دانی، چمن آرائے گلزار معانی، متصرف ملک زور طلب بلاغت، پہلوان شاعر عرصہ فصاحت، چراغ دودمان صفائی گفتگو کہ چراغش روشن باد، سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالیٰ ابداً۔ شاعر زبردست، قادر سخن، عالم فاضل، تاحال ہمچو ایشاں۔ بہ ہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود۔ شہرۂ آفاق، در سخن فہمی طاق، صاحب تصنیفات دہ پانزدہ کتب ورسالہ ودیوان مثنویات۔ حاصل کمالات اوشان از حیز بیان بیرون است۔ ہمہ اوستادان مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آن بزرگوار ند گاہے برائے تفنن طبع دوسہ شعر ریختہ فرمودہ ایں بے اعتبار را کہ اختیار کردہ ایم، اعتبار دادہ اند۔"(۷)

میرؔ نے خان آرزوؔ کے ہاں دوران قیام نا صرف ان سے علمی وادبی حوالوں سے تربیت حاصل کی بل کہ ان سے شعر خوانی و سخن فہمی کے اسرار و رموز بھی سیکھے۔ مگر "ذکر میرؔ" کے مطابق اس دوران ہی بھائی کا خط ماموں کے نام آن پہنچا جس میں خان موصوف کو میر تقی میرؔ کے بارے محتاط رہنے اور اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی تھی اس خط کا حوالہ اردو کی ادبی تواریخ میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں میرؔ کی زندگی کا وہ مختلف زاویہ نظر آتا ہے جس سے یک سر مختلف رائے میرؔ خود رقم کر چکے ہیں۔ میرؔ لکھتے ہیں:

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

''میر محمد تقی فتنہ روزگار است، زنہار بہ تربیت او نیابد پرداخت ودر پردہ دوستی کارش باید ساخت۔ آں عزیز دنیادار واقعی بود، نظر بہ خصومت، ہمشیر زادہ خود بد منِ اندیشد۔۔۔۔ چہ بیاں کنم کہ از وچہ دیدم چہ گویم کہ چہ حالت کشیدم، ہر چند پنبہ دہائی اختیار کردم اواز حلاجی دست نمی داشت باصد ہزار احتیاج یک روپیہ از و نمی خواستم۔ اما سلاحی نمی گزاشت، خصمئ او گربہ تفصیل بیان کردہ آید دفترے جداگانہ می باید خاطر گرفتہ من گرفتہ ترشد۔ سودا کردم۔ دل تنگم تنگ تر گردید۔ وحشتے پیدا کردم۔''(۸)

جنوں میرؔ کو وراثت میں ملا تھا۔ کچھ اثرات وراثتی اور کچھ حالات کی نزاکت ساتھ بقول میرؔ خان موصوف کے طعن و تشنیع نتیجہ یہ نکلا کہ میرؔ دیوانے ہوگئے اور سارا دن کمرے میں بند پڑے رہتے رات کو چاند میں خیالی محبوب کی تصویریں دیکھتے، باتیں کرتے کرتے دیوانگی کی یہ کیفیت انھیں زندانی و زنجیری تک لے گئی۔ یہ ہی وہ زمانہ ہے جب میرؔ نے حالتِ جنوں کی علامتوں کے محور پر کچھ مثنویات اور کچھ غزلیات میں شاعرانہ نشان چھوڑے ہیں۔ میرؔ کے عہدِ جنوں کا تنقیدی جائزہ ان کے معاشی، خاندانی، معاشرتی اور جنسی عوامل و عناصر کی ناآسودگی کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے کہ کس طرح انھوں نے والد کے انتقال کے بعد زمانے اور بالخصوص اعزاء واقرباء کی طوطا چشمی و تلخی، وراثت کو لے کر بھائی کی زیادتی برداشت کی اور زمانے کی ناقدری کے بھی زخم کھائے۔ ان سب سے بڑھ کر نفسیاتی وجذباتی ہیجان جس نے جنس کے دائرے میں رہ کر انھیں اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا ان سب نے میرؔ کے عہدِ جنوں کی ذمہ داری اور اسی عہدِ جنوں کی یادگاریں خیالی پیکر محبوب اور خواب و خیال کی شاعرانہ تصاویر میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ نواب قلب علی خان فائق میرؔ کے عہدِ جنوں اور حالتِ جنوں کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

'' میں حجرے کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ جب سورج ڈوب جاتا اور چاند نکلتا تو میں اسے تکتا رہتا۔ چنانچہ چاند کی طرف تکتے رہنے سے یہ کیفیت پیدا ہوتی کہ پیکر ماہ سے ایک حسینہ جلوہ کناں نظر آتی۔ جس طرف آنکھ لگاتا اسی کی صورت نظر آتی، رات کو تصویر خیالی سے باتیں رہتیں۔ دن نکلتا تو اور اس کی صورت غائب ہو جاتی۔ اس کی جدائی میں بہ حالت ہر جان کہ دیوانہ وار گھومتا، ہاتھ میں پتھر ہوتے اور لوگ مجھ سے بھاگتے، چار ماہ اسی طرح گزرے موسم بہار کا آنا تھا کہ میرا مرض دیوانگی اور زیادہ بڑھ گیا۔ آخر زنجیری و زندانی ہو گیا۔''(۹)

مثنوی خواب و خیال کے اشعار میرؔ کے دور جنوں کی بخوبی ترجمانی کرتے ہیں:

ہوا خبط سے مجھ کو ربط تمام
لگی رہنے مجھے وحشت صبح و شام

جگر گردوں سے خوں ہو گیا
مجھے رکتے رکتے جنوں ہو گیا

میرؔ کی اس حالت جنوں سے روبہ صحت ہونے میں ان عزیز و اقارب نے کافی تردد کے ساتھ کاوش کی خصوصیت کے ساتھ دم، جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کی کافی کوششوں کے بعد موسم بدلا تو میرؔ کے مزاج میں بھی بہتری آئی لیکن اس علاج معالجے کی کاوشوں میں بیگم فخر الدین جو عقیدت منداور میر علی تقی کی مرید تھیں؛ نے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کافی کوشش کی اور سرمایہ بھی خرچ کیا۔ ان کی زندانی و زنجیری کا غل ان کے کلام میں جابجا بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ میرؔ کے حالتِ جنوں کی علامتیں تو کلامِ میرؔ میں موجود ہیں مگر صحت یاب ہونے کے بعد وہ عین شباب کی طرف لوٹ آئے۔ ذکر میرؔ میں لکھتے ہیں:

> ''فخر الدین کی بی بی نے جو درویش (والد) کی مرید تھیں اور قرابتی رشتہ رکھتی تھیں؛ نے میرے علاج میں بہت روپیہ خرچ کیا۔ سیانوں نے جھاڑ پھونک کی، طبیبوں نے فسد کھولی، طبیبوں کی تدبیر سے فائدہ ہوا خریف کا موسم آیا اور بہار رخصت ہوئی تو جنوں بھی گھٹ گیا۔ وہ نقش جو وہم نے جگایا تھا صفحہ دل سے مٹ گیا۔ جنوں سے جو سبق پڑھا تھا وہ فراموش ہو گیا۔ اب زباں سفوف سے آشنا ہو گئی۔ دماغ کو مالیخولیا کھا گیا تو نیند بھی آگئی۔ گئی ہوئی طاقت پھر لوٹ آئی۔ بدخوابی جاتی رہی اور چہرہ مہتابی جو نظروں کے سامنے سے او جھل ہو گیا تھا مدت بعد پوری طرح صحت یاب ہو گیا۔'' (۱۰)

میرؔ کے سوانحی ارتقاء کا مطالعہ ہمیں یہ معلومات بہم پہنچاتا ہے کہ میرؔ کی تعلیم و تربیت کے تمام پہلو تشنگی کا شکار رہے۔ والد کی وفات سے قبل اگرچہ وہ بنیادی علوم حاصل کر چکے تھے اور امان اللہ کی صحبت سے انھیں تربیت کے لوازمات سے بھی آشنائی حاصل ہوئی مگر اس پہلو سے سوچنا بھی لازم ہے کہ دس سال کے بچے نے تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود تعلیم و تربیت کے کتنے معیارات طے کیے ہوں گے ابھی تو رسمی علوم جو کہ باپ اور چچا کی صورت میں ملنے تھے؛ ان کی بھی وفات ہو گئی اور وہ ہر طرح سے ناچار اور نامراد ہو گئے۔ گو کہ حالات نے ان کے اندر بلا کی جرات، درویشی و خود اعتمادی پیدا کر دی تھی اور وہ راہِ زیست کے پرخار راستے پر چلنے کو تیار تھے مگر دس گیارہ سال کی عمر میں یہ امتحانات اور ان کے بعد میرؔ کا شاعرانہ مقام و مرتبہ، ان کے ذاتی اوصاف، جو ہمہ خاص اور تنقیدی و معاشرتی شعور کے عکاس تھے ان کے حوالے سے خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''ابھی میرؔ کی تعلیم نامکمل تھی اور وہ رسمی درسیات کی تکمیل بھی نہ کر سکے تھے کہ ان کے چچا اور باپ کا انتقال ہو گیا اور میرؔ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے۔ اس وقت ان کی عمر دس برس تھی لیکن کم عمری میں بھی ان کو درست اور نادرست محاورہ کا احساس تھا۔ دل میں ''وقت قلمدان نیست'' پر ان کا اعتراض ان کے تنقیدی شعور کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے اندر جرأت اور خود اعتمادی پیدا ہوئی تھی جو ہر اچھی تعلیم کا لازمی جزو ہے۔'' (۱۱)

باپ اور چچا کی وفات کے بعد میرؔ کی شخصیت پر جس نابغہ روزگار ہستی کے سائے نظر آتے ہیں وہ خان آرزو ہیں۔ تمام تر اختلافات کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ خان موصوف نے میرؔ کی شعری تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ میرؔ نے ایک سے زائد مرتبہ اپنے قلم سے خان موصوف کی استادی اور اپنے حوالے سے ریختہ کی تحریک اور معشوق ملانے اور اصلاح کا ذکر کیا ہے۔ نکات الشعراء میں میرؔ نے ''استاد و پیر و مرشد بندہ'' جیسے القابات سے ملقب کیا ہے تو اس کی وجوہات تلاشنا لازم ہے۔ دلی میں خان موصوف کے ہاں قیام سے حافظ محمد حسن کے خط تک اور ''میر محمد تقی فتنہ روزگار نہ بنا ر بہ تربیت او بنا ید پرداخت'' کا یہ جملہ اس امر کا غماز ہے کہ میرؔ کی تربیت شعری کا اندازہ سوتیلے بھائی کو تھا اور خان آرزو میرؔ کی تربیت میں دلچسپی لیتے تھے۔ خواجہ حسن فارقی لکھتے ہیں:

> '' میرؔ اور خان آرزو کی تصانیف کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ کے غنچہ استعداد کی شگفتگی خان آرزو کی مرہون منت ہے۔ میرؔ نے محض استاد کے الفاظ و تراکیب ہی کی خوشہ چینی نہیں کی بل کہ زبان کے قواعد و ضوابط بھی خان آرزو سے سیکھے ہیں جس کا مدلل ثبوت ''استاد پیر و مرشد بندہ'' سے بجا طور پر ملتا ہے۔'' (۱۲)

خان آرزو کے علاوہ وہ صد تذکروں میں میر جعفر عظیم آبادی اور میر سعادت امروہوی سے فیض یاب ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ حالت جنوں سے صحب یاب ہونے کے بعد میرؔ نے ''انشاء ترسل'' پڑھنا شروع کر دی۔ ایک روز کتاب کے ہی سلسلے میں بازار سے گزر ہوا اور میر جعفر نامی شخص سے ملاقات ہوئی جنھوں نے مطالعے کے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

شوق کو دیکھتے ہوئے پڑھانے کی ذمہ داری لی۔ میرؔ کے بقول وہ بڑی تن دہی سے اسرار و رموز سکھاتے ناگاہ انھیں واپس وطن لوٹنا پڑا اس کے بعد تعلیم خصوصیت کے ساتھ ریختہ اور فن شاعری کی طرف رجحان ہوا اور ریختہ کی بابت مائل کرنے کا سہرا سعادت امروہوی کو جاتا ہے جو حضرت ولایت شاہ کی اولاد میں سے تھے۔ بقول میرؔ وہ شعر گوئی کا محرک ثابت ہوئے۔ میر لکھتے ہیں:

> " بعد از چندے باسعادت علی نام سیدے کہ از امروہہ بود برخوردم۔ آن عزیز مرا تکلیف موزدن کردن ریختہ کہ شعر یست بغور شعر فارسی بزبان اردو معلائے بادشاہ ہندوستان دوران وقت رواج داشت۔ خود کشی کردم و مشق خود مرتبہ رساندم کہ موزونان شہر را مستند شدم شعر من دوبدو گوشِ خورد بزرگ رسید۔"(۱۳)

میرؔ کے سوانحی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس عہد کے ہندوستان میں سیاسی و تہذیبی منظر نامے پر ایک نظر ڈالی جائے تاکہ اندازہ ہو سکے میرؔ کو کیسا ماحول میسر آیا تھا۔ ۔اس عہد کے سیاسی منظر نامے کا احوال کہ بقول میرؔ سانس لینے میں بھی آہستگی اور احتیاط درکار تھی کہنا کچھ دشوار کچھ سہل ہے۔ میرؔ کی دوسری مرتبہ، دلی آمد اس عہد میں ہوئی جب یہ عروس البلاد ماضی قریب میں ہی نادر شاہ کے حملے جیسی آفت ناگہانی یا عذابِ ربانی بھگت چکا تھا۔ سیاست میں افراتفری اور حکومت میں ارکان حکومت کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری جارہی تھیں۔ کسی کی عزت، نام اور مذہب محفوظ نہ تھا۔ اس کسمپرسی، ابتری اور الم ناک دور میں شاعر اور ادیب تو درکنار امراء و روساء کو اپنی پگڑیاں سنبھالنا مشکل ہو رہی تھیں۔ خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> " میر اس زمانے میں دلی آئے جب واقعتاً دونوں ہاتھوں سے دستار سنبھالنا مشکل تھا۔ ہر طرف نفسا نفسی، خود غرضی، غارت گری اور ابتری کا عالم تھا۔ اس وقت شاعر تو شاعر بڑے بڑے امراء رؤساء پریشان اور مضمحل تھے۔"(۱۴)

اس زوال پسند معاشرے میں بادشاہ سمیت وزرا اور امراء سب مفاد اور ذات پسندی کا شکار تھے۔ یہ وہ دور ہے جس میں مغل افواج کی روایتی کارگزاری نا ہونے کے برابر نظر آتی ہے اور حکومتی ارکین سلطنت کے علاوہ عمائدین بھی اپنے اپنے مفاد کی طرف دیکھ رہے تھے اور سلطنت کے انتظام و انصرام سمیت کسی کو بھی عوام کی فلاح و بہبود کی فکر نہ تھی۔ ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:

> " یہ وہ دور ہے جب مغل سلطنت پر بُری طرح زوال آچکا تھا۔ بادشاہوں کے جمع کیے ہوئے خزانے خانہ جنگیوں کی بدولت خالی ہو چکے تھے۔ سلطنت کے نظم و نسق میں ابتری مچی ہوئی تھی اور روز بروز سلطنت پر حکومت کی گرفت کمزور ہوتی چلی جارہی تھی۔ بادشاہوں کے بار بار بدلنے پر افسر شاہی کے اندر بددلی تھی اور بار بار وفاداریاں تبدیل کرتے تھے۔"(۱۵)

حوالہ جات

۱۔ میر تقی میرؔ "ذکر میر"، مترجم: نثار احمد فاروقی " میر کی آپ بیتی"، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۶

۲۔ خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر، "میر تقی میر حیات اور شاعری" بھٹی سنز پبلشرز لاہور، ص ۶۷

۳۔ ایضاً، ص ۳۷

۴۔ ایضاً، ص ۹۴

۵۔ میر تقی میر، "ذکر میر"، ص ۶۷

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۶۔خواجہ احمد فاروقی،ڈاکٹر،''میر تقی میر حیات اور شاعری''،ص ۶۷

۷۔میر تقی میر،''نکات الشعراء،مشمولہ: ''میر تقی میر حیات اور شاعری''،خواجہ احمد فاروقی،ص ۴

۸۔میر تقی میر،''ذکر میر''،ص ۶۳۔۶۴

۹۔قلب علی خان فائق،''کلیات میرؔ''(جلد اوّل)،ترقی ادب لاہور،۱۹۸۶،ص ۲۱

۱۰۔میر تقی میر،''ذکر میر''،ص ۹۱۔۹۲

۱۱۔خواجہ احمد فاروقی،ڈاکٹر،''میر تقی میر حیات اور شاعری''،ص ۵۴

۱۲۔ایضاً،ص ۵۴

۱۳۔میر تقی میر،''ذکر میر''،ص ۹۹۔۱۰۰

۱۴۔خواجہ احمد فاروقی،ڈاکٹر،''میر تقی میر حیات اور شاعری''،ص ۶۶

۱۵۔ڈاکٹر تاراچند،مضمون،مشمولہ: ''میر تقی میر حیات اور شاعری''،خواجہ احمد فاروقی،ص ۱۵۲